ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی ❁
طارق احمد ❁❁

# روزنامہ ''جنگ'' میں شائع ہونے والے اردو قطعات کا جائزہ

**A research study of Urdu journalistic qat'at in daily *Jang***

By *Dr. Yasmeen Sultana Farooqi, Associate Professor, Department Media Science, Ilma University, Karachi.*

*Tariq Ahmed, Research scholar, Department of Mass Communication, Federal Urdu University of Arts, Science and Techonolgy, Abdul Haq campus, Karachi.*

**ABSTRACT**

*Al-Hilal*, *Zamindar*, *Comrade*, *Imrooz* etc were the prominent Urdu newspapers of subcontinent founded by the literary figures namely Abul Kalam Azad, Maulana Muhammad Ali Johar, Maulana Zafar Ali Khan, Chiragh Hasan Hasrat etc. That is why the color of literature was prominent in their journalism. Once such newspaper is the Daily *Jang*. Mir Khalil-ur-Rehman started publishing it from Delhi and brought it to Pakistan after the establishment of Pakistan. Jang is the most widely read and most popular newspaper in Pakistan which started publishing poetic pieces *(qat'at)*. For this purpose, Daily *Jang* selected the very famous poet and philosopher of his time, Raees Amrohvi, who wrote qat'at for forty years continuously till his death (1988) and was called a founder of newspaper *qat'at*. After his death, the famous poet of the present era Anwar Shaoor started writing in the Daily *Jang* and is still associated with it. The research under review is about the journalistic qat'at, how it got started in Pakistani journalism, especially in *Jang* newspaper and what is the importance of Urdu *qat'at* in journalism. The research under reviews the events that have

❁ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ میڈیا سائنس، علما یونی ورسٹی، کراچی
❁❁ ریسرچ اسکالر، وفاقی اردو یونی ورسٹی، عبدالحق کیمپس، کراچی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



been published since the establishment of Pakistan in the Daily *Jang* newspaper.

**Key words:** Journalism, qat'at, Daily jang, Raees Amrohvi, Newspaper, Subcontinent, Urdu Literature.

ماضی میں صحافت کو ادب کا ہی حصہ سمجھا جاتا تھا۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ابتدا میں خبروں کو پیش کرنے کا انداز ''نثری'' یا ''مضامین'' کی طرح کا ہوا کرتا تھا۔اس زمانے میں اخبارات میں شائع ہونے والی خبریں عہد حاضر کی صحافت سے بہت مختلف انداز لیے ہوئے تھیں ۔بقول مسکین علی حجازی:

> اُس دور میں اعلیٰ پائے کی صحافت اور اعلیٰ پائے کے ادب میں زیادہ فرق نہیں تھا۔(۱)

پرانے زمانے میں شعرا درباروں سے منسلک ہوا کرتے تھے اور عوام تک ان کی براہ راست شناسائی یا پہنچ نہیں ہوتی تھی۔ وہ صرف درباروں میں اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔انیسویں صدی تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن جب برصغیر میں اخباری صحافت کا دور شروع ہوا تو اس وقت کے بڑے بڑے ادیب و شاعر اخبارات سے وابستہ ہو گئے اور اس طرح شعرا کا کلام درباروں سے نکل کر عوامی حلقوں میں اپنی پہچان بنانے لگا۔جیسے جیسے اخبارات و رسائل کی رسائی عوام تک ہوتی گئی ویسے ویسے شعرا کی عوامی حلقوں میں مقبولیت بھی بڑھتی رہی اور عوام کی جانب سے شعرا کے کلام کو پذیرائی ملنے لگی۔ اس زمانے کے صحافیوں کی اکثریت کا تعلق بھی ادب سے تھا۔اس لیے ان کی صحافت میں ادبی رنگ نمایاں تھا۔یہ وہ دور تھا جب اخبارات کی وجہِ شہرت شخصی صحافت ہوا کرتی تھی۔یعنی ہر صحافی کی عوامی حلقوں میں اپنی ایک پہچان ہوتی تھی جو اُن کی تحریروں سے جھلکتی تھی۔اس لیے یہ کہا جاتا تھا کہ ادب اور صحافت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انیسویں صدی کے اخبارات علمی و ادبی رنگ میں مکمل ڈوبے ہوئے تھے۔مثلاً مولانا ظفر علی خان کے ''زمیندار''، چراغ حسن حسرت کے ''امروز''، مولانا ابوالکلام آزاد کے ''الہلال''، سرسید احمد خان کے ''تہذیب الاخلاق'' اور مولانا محمد علی جوہر کے '' کامریڈ'' سمیت کئی اخبارات و رسائل کو کیسے بھلایا جا سکتا ہے جو کہ نہ صرف ادبی صحافت کی بہترین مثالیں ہیں بلکہ ادبی معرکوں کا مظہر بھی تھے۔ '' کامریڈ'' کے لیے تو یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اس کے اداریے اتنے مضبوط اور جاندار ہوا کرتے تھے کہ اس وقت کا وائسرائے سب سے پہلے '' کامریڈ'' اخبار دیکھتا تھا اور اس کے اداریے پڑھا کرتا تھا۔ایسے اخبارات و رسائل کی طویل فہرست موجود ہے جو نہ صرف صحافت کے ساتھ ادب کے اعلیٰ نمونے تھے بلکہ ادبی روایات کو پروان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



چڑھانے کے موجب بھی تھے۔ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد بھی آج کل کی اردو صحافت میں یہ معیار کسی نہ کسی صورت موجود ہے۔ موجودہ دور میں اگر پاکستانی اخباروں کا جائزہ لیا جائے تو اردو کا معروف ترین اخبار روزنامہ ''جنگ''، جس نے ۱۹۴۱ء میں دہلی سے اپنی اشاعت کا آغاز کیا اب تک اپنا وہی روایتی انداز برقرار رکھے ہوئے ہے جو مشرقی صحافت کا خاصہ ہے۔

> ''روزنامہ جنگ'' ابتدا میں شام کا اخبار تھا جس کی اشاعت دو مضامین پر مشتمل تھی۔''(۲)

روزنامہ ''جنگ'' کے بانی میر خلیل الرحمٰن تھے وہ خود اپنے اخبار کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

> صحافت میں ابتدا کا حساب اس سے لگا لیں کہ اخبار ''جنگ'' کو اور خود مجھے جولائی ۱۹۹۰ء میں پچاس سال ہو گئے ہیں۔ یوں سمجھ لیں مجھے اس زمانے میں ایڈیٹر بننے کا کچھ زیادہ شوق نہیں تھا۔ مجھے تو کچھ زیادہ پتا ہی نہیں تھا کہ ایڈیٹر کیا ہوتا ہے یعنی جس طرح اور جن حالات میں یہ اخبار نکالا گیا معمولی سا، ایک پیسے کا تھا پس اس وقت یہی خیال تھا کہ اخبار نکالا جائے۔(۳)
>
> میر صاحب نے جنگ کو جنگ بنانے میں بہت محنت کی ہے اور کسی کو حقیر نہیں سمجھا۔ انھوں نے جب دہلی سے ''جنگ'' کا آغاز کیا تو وہ خود ہی ایڈیٹر، وقائع نگار، مترجم، پروف ریڈر اور خود ہی نیوز ایجنٹ تھے۔(۴)

قیام پاکستان کے بعد جب ''جنگ'' کراچی منتقل ہوا تو اس کا مقابلہ ''روزنامہ انجام'' سے تھا۔ جو اس وقت کا بڑا اردو اخبار تھا۔ یہ دوڑ ۱۹۶۲ء تک جاری رہی اور بلا آخر ''جنگ'' اردو کا سب سے بڑا اخبار بن گیا۔ ۱۹۶۴ء میں ''روزنامہ جنگ'' کا مقابلہ ایک غیر معمولی اردو اخبار روزنامہ ''حریت'' سے ہوا۔ دونوں معیاری اور جاندار اخبار تھے مگر جلد ہی ''جنگ'' نے ''حریت'' کو بھی مات دے دی اور اس وقت سے لے کر آج تک ''جنگ'' کا کوئی حریف نہیں۔(۵)

روزنامہ ''جنگ'' پاکستان کا کثیر الاشاعت اخبار ہے جس کو اردو اخبارات میں ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ اس میں ہر طبقۂ فکر کے لوگوں کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے خبروں کو جگہ دی جاتی ہے۔ اس کے اداریے بین الاقوامی اور قومی مسائل پر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کالم نگاری میں بھی جنگ میں ہمیشہ اپنے عہد کے نامور صحافی، تجزیہ نگار اور کالم نگار رہے ہیں جب کہ قطعہ نگاری کے حوالے سے بھی معروف شعرا ''جنگ'' سے منسلک رہے۔(۶)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



جہاں ''جنگ'' کی معیاری خبریں، کالم، اداریے اور فیچر وغیرہ مقبول عام ہوئے وہیں ایک اور چیز جس نے قارئین کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی وہ اس کے قطعات ہیں۔ پروفیسر سحر انصاری قطعات کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

''غزل، مثنوی یا قصیدے کے دو یا چار اشعار کو یکجا کر لیا جائے تو وہ قطعہ بن جاتا ہے۔ اس میں وزن اور اشعار کی تعداد کی کوئی خاص قید نہیں ہے۔ پہلے یہ صرف اردو نظموں کا حصہ تھا لیکن اب اسے صحافت کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ چوں کہ اخباری قطعات روزمرہ کے حالات و واقعات پر لکھے جاتے ہے اس لیے یہ ایک موضوعاتی شاعری بھی ہے۔ اس لیے تاریخ کا حصہ بھی بن جاتے ہیں اور یوں یہ نظموں کے قطعات سے جدا ہوجاتے ہے۔ جیسے کہ رئیس امروہوی نے کہا تھا کہ:(۷)

آئینہ امروز ہیں میرے قطعات
اس عہد کی تاریخ لکھی ہے میں نے

اگر لغت میں قطعات کی تعریف دیکھی جائے تو فرہنگ آصفیہ، جلد سوم میں سید احمد دہلوی نے قطعہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> مطلع کے سوا باقی غزل یا قصیدے کا حصہ جو متفق المضمون ہو اور کم سے کم دو اشعار ہوں قطعہ کہلاتا ہے۔(۸)

''کشافِ تنقیدی اصطلاحات'' میں قطعہ کی تعریف کچھ اس طرح درج ہے:

> قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑے کے ہیں اور یہ اصلاحی معنوں میں ایک صنف شعر ہے جس میں قوافی کی ترتیب قصیدے یا غزل کے مطابق ہوتی ہے یعنی اشعار کے تمام مصرع ہائے ثانی ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ قطعہ کے لیے کم سے کم دو اشعار کا ہونا ضروری ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ قطعہ میں عام طور پر ردیف سے کام نہیں لیا جاتا۔(۹)

قطعات سے متعلق رفیع الدین ہاشمی اپنی کتاب ''اصنافِ ادب'' میں لکھتے ہیں کہ:

> قطعہ سے مراد ایسے اشعار ہیں جو دو یا چار مصرعوں پر مشتمل ہوں اور جس میں موضوع کے لحاظ سے مکمل مضمون ادا کیا جائے، قطعہ میں رباعی کی طرح شعر کی تعداد اور وزن کی کوئی قید نہیں ہوتی جب کہ قطعہ میں عموماً مطلع نہیں ہوتا۔(۱۰)

اخباری قطعات کے متعلق عالمی شہرت یافتہ ادیبہ و کالم نویس محترمہ زاہدہ حنا کہتی ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



> جب پاکستان بنا اور ''جنگ'' دلی سے کراچی آیا تو قطعات لکھنے کا سلسلہ چل نکلا اور پھر یہ روش عام ہوگئی کہ ہر ہفت روزہ اور روزنامے میں ایک قطعہ لازمی شائع ہوگا جو کہ عمومی طور پر پر لطف و شگفتہ ہونے کے ساتھ طنز و تنقید لیے ہوئے ہوگا اور اس میں عمومی طور پر سیاسی معاملات پر بات کی جائے گی۔(۱۱)

گزرتے وقت کے ساتھ اخبارات کی وسعت میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے کہ اب اخبار کے ہر سیکشن کے لیے الگ صفحہ مختص ہے جیسے کھیل، تجارت، قومی خبریں، بین الاقوامی خبریں، دیگر صوبوں اور تعلیم و شوبز کی خبریں اور ادارتی صفحہ وغیرہ۔ ادارتی صفحہ اخبار کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ سنجیدہ قاری ادارتی صفحات ضرور پڑھتے ہیں۔ اس صفحے پر اداریے اور کالم شائع ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ''قطعہ'' بھی شائع کیا جاتا ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اخبار کے سب سے اہم صفحے پر ''قطعہ'' کے لیے جگہ مختص کی جاتی ہے۔ جہاں قارئین اداریے اور کالم پڑھتے ہیں وہیں وہ قطعہ بھی ضرور پڑھتے ہیں۔ معروف صحافی و ادیب پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود قطعہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> کسی بھی سیاسی واقعہ کو منظوم کر کے قارئین کے لیے سہل بنا کر پیش کرنے کا نام ''قطعہ'' ہے۔ جیسا کہ کالم ایک صنف ہے، سیاسی تجزیاتی مضمون ایک صنف ہے اس طرح قطعہ بھی ایک صنف ہے جس میں سیاسی و سماجی حالات و واقعات پہ قطعہ نگار منظوم تبصرہ کرتا ہے جو دلچسپ ہوتا ہے۔ پاکستان میں رئیس امروہوی نے قطعہ نگاری کا آغاز کیا۔ وہ اعلیٰ پائے کے قطعہ نگار تھے۔ انھوں نے ہر موضوع پہ قطعات لکھے۔ اب یہ فریضہ انور شعور انجام دے رہے ہیں اور مسلسل کئی برس سے اچھے قطعات لکھ رہے ہیں۔(۱۲)

اخباری قطعہ نویسی کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لیے مہارت و مشاقی درکار ہے۔ صرف چار سطروں میں طنز و مزاح کے ساتھ اصل مقصد بھی قاری تک پہنچانا ہوتا ہے۔ قطعہ نگار کو دو دھاری تلوار پر سے گزرنا پڑتا ہے کہ شگفتگی بھی برقرار رہے اور خبریت بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خالصتاً ادبی صنف ہے جو ایک طرف صحافت سے بھی جڑی ہوئی ہے، اور اس کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے۔

مختلف اخبارات میں شاعر روزمرہ کے حساب سے قطعات لکھتے ہیں۔ اخبار میں چھپنے والی کوئی چیز غیر اہم نہیں ہوتی، اس میں کوئی نہ کوئی خبریت ضرور ہوتی ہے لاکھوں کی تعداد میں قارئین کی نظر سے اخبارات میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



خبریں، اداریے اور کالم اور دیگر تحریریں گزرتی ہیں قطعہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ معروف صحافی اور شاعر ایچ خانزادہ قطعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> قطعات دراصل موضوعاتی شاعری ہے۔ شاعر یومیہ اعتبار سے اخبار کی ادارتی پالیسی کے مطابق کسی مسئلے پر، کسی کی تعریف یا تنقید میں اپنے زاویہ نگاہ سے قطعہ لکھتے ہیں۔ اخبار میں کسی خبر کو جو اہمیت حاصل ہوتی وہی اہمیت تبصرے و تجزیے کی ہوتی ہے اور یہی اہمیت قطعات کی بھی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خبریں، مضامین اور اداریے وغیرہ نثر میں ہوتے ہیں اور قطعات نظم میں ہوتے ہیں۔ پاکستان میں قطعات کو رئیس امروہوی نے مقبول بنایا، وہ بہترین قطعہ نگار تھے اور صاحبِ ہنر شخص تھے۔ ان کے بعد اس روایت کو انور شعور لے کر چلے۔ انور شعور موجودہ عہد کے بہترین قطعہ نگار ہیں۔ (۱۳)

معروف شاعر انور شعور کی نظر میں قطعہ کی تعریف کچھ اس طرح ہے:

> کسی قوم یا ملک پر جو حالات و واقعات گزرتے ہیں قطعات ان کی منظوم تاریخ ہوتے ہیں اور ان کے پڑھنے والوں کا ایک حلقہ ہوتا ہے۔ (۱۴)

روزنامہ ''جنگ'' میں شائع ہونے والے اخباری قطعات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک منظوم تاریخ رقم ہو رہی ہے جس کی ابتدا ایک معروف شاعر و کالم نگار رئیس امروہوی نے کی۔ رئیس امروہوی قطعہ نگاروں کے میرِ کارواں کہلاتے ہیں۔ انھوں نے قیام پاکستان سے لیکر اپنی وفات تک ایک طویل عرصہ روزنامہ ''جنگ'' میں مسلسل قطعہ نگاری کی۔ رئیس امروہوی کو پاکستانی صحافت میں پہلے اخباری قطعہ نگار ہونے کا شرف حاصل ہے۔

وہ امروہہ کے سادات گھرانے کے چشم و چراغ تھے، ان کا خانوادہ علم و ادب کے حوالے سے معززین میں شمار ہوتا تھا۔ ان کا اصل نام سید محمد مہدی تھا۔ وہ ۱۲ ستمبر ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد شاعری کی طرف توجہ کی اور تیرہ برس کی عمر میں پہلا شعر کہا۔ انھیں اردو کے علاوہ عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ انھوں نے شاعری کی ابتدا نظم سے کی پھر غزل کی طرف آئے۔ ان کے پہلے مجموعے کا نام ''الف'' تھا۔ (۱۵)

رئیس امروہوی نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز ۱۹۳۶ء میں امروہہ کے اخبار ''قرطاس'' سے کیا۔ انھوں نے ''قرطاس'' میں ادارتی فرائض بھی سرانجام دیے اور پھر ''مخبر عالم'' سے وابستہ ہوئے اور بعد میں مراد آباد کے روزنامہ ''جدت'' کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے ذمے داری سنبھالی۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء میں ہی پاکستان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



ہجرت کی اور کراچی کو اپنا مستقر بنایا اور روزنامہ ''جنگ'' سے وابستہ ہوگئے۔ بیسویں صدی کے اس سب سے بڑے قطعہ نگار نے روزنامہ ''جنگ'' کے لیے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۸۸ء تک مسلسل قطعات لکھے۔

رئیس امروہوی کو قطعہ نگاری اور کالم نگاری کے علاوہ مختلف اصناف سخن پر بھی عبور حاصل تھا۔ وہ کمال کے قصائد، مثنوی اور نوحے لکھتے تھے۔ ''نفسیات''، ''مابعد فلسفہ نفسیات'' اور ''روحانیات'' ان کے موضوعات تھے۔ ''انا من الحسین''، ''مثنوی لالہ صحرا'' ان کی شاعرانہ تخلیقات ہیں جب کہ ''عالمِ برزخ''، ''خاص ارواح'' ان کی نثری تصنیفات ہیں۔ بلا شبہ رئیس امروہوی نے اردو کی ترویج و اشاعت میں بڑا کردا ادا کیا ہے۔ ۲۲ر ستمبر ۱۹۸۸ء کو علم و ادب کا یہ روشن چراغ بجھ گیا اور چالیس سال تواتر سے جاری ان کی قطعہ نگاری منقطع ہوگئی۔(۱۶)

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا
(حالی)

ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں ہر شخص ایک دوسرے سے بے اعتنائی کی حد تک بے خبر رہتا ہے۔ ایسے میں عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل کوئی قوم کے مسائل پر سوچے، کوئی خاموشی سے بیٹھ کر ان کے حل نکالے، اپنی تخلیقات کو مکمل کر کے عوام کے سامنے لانے کی سعی کرے اور اپنی قومی زبان کو بچانے اور اس کے فروغ کے لیے کام کرنے پہ کمر کس لے تو ایسے بے لوث اور بے غرض شخص کے چلے جانے سے ہمارے اس بے نیاز معاشرے میں زیادہ فرق نہیں پڑتا مگر یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ رئیس امروہوی جیسا قطعہ نگار دوبارہ نظر نہیں آیا۔ ایک عہد تھا جو ان کے ساتھ ہی تمام ہوا۔ وہ اپنے پیچھے علم و ادب کا خزانہ چھوڑ گئے ان کے قطعات 5 جلدوں میں موجود ہیں۔ ان کے قطعات قابل فہم اور سادہ ہوا کرتے تھے۔

جوش ملیح آبادی نے رئیس امروہوی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

''رئیس امروہوی بلا شبہ ایک بڑے شاعر اور قطعہ نگار ہیں۔ انھوں نے کبھی قافیوں کا سہارا نہیں لیا۔ ان کے یہاں مسائل حیات اور اسرارِ کائنات کا رنگ موجود ہے۔ انھوں نے انوکھے انداز میں روزمرہ کے واقعات، اقتدار پسندی اور سماج دشمن عناصر کے خلاف بے دریغ لکھا ہے۔''(۱۷)

## رئیس امروہوی کے چند قطعات

رئیس امروہوی کا پہلا قطعہ جو انھوں نے ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو عیدِ قرباں کے موقع پر کہا:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



کیوں نہ تسکیں ہو مسلمانوں کے دلِ ناکام کو سن رہا ہے وہ خلیل اللہ کے پیغام کو
ارضِ پاکستان پر ہے فضل ورحمت کا نزول ہو مبارک عیدِ قرباں ملتِ اسلام کو(۱۸)

اس قطعے میں ایک مشہور سیاسی رہنما کی طرف لطیف پیرائے میں طنز کیا گیا ہے جو حقہ پیا کرتے تھے:

جو اپنے قول کو قانون سمجھے وہ قائل ہو نہیں سکتے ابد تک
بہت سے لوگ یاران وطن ہیں محقق ہیں مگر حقے کی حد تک(۱۹)

مسلمانوں کے انحطاط اور زوال پر کیسا پُرتاثیر قطعہ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ پر تو معترض ہوتے ہیں مگر اپنی بد اعمالیوں کا محاسبہ نہیں کرتے۔

میزان ہاتھ میں ہے زباں کی نہ سود کی تفریق ہی محال ہے بود و بنود کی
پروا نہیں ہے ہم کو خود اپنے وجود کی لیکن شکایتیں ہیں یہود و ہنود کی(۲۰)

سیاسی کھوکھلے نعروں اور وعدوں پر ان کا یہ قطعہ دیکھیے:

کامیابی کا رئیس ہے امکاں گر مرتب عمل کے خاکے ہوں
اف بیانات کی یہ گونج گرج جس طرح ایٹمی دھماکے ہوں(۲۱)

مندرجہ ذیل قطعے اس وقت کے پاکستان کے بااثر دولت مند سیاسی خاندانوں کی طرف اشارہ ہے:

کون کہتا ہے کہ پاکستان کی ارضِ جمیل اے رئیس! اس ملتِ آزاد کی میراث ہے
ساتھیو! یہ قوم چند افراد پر ہے مشتمل دوست! یہ ملک چند افراد کی میراث ہے(۲۲)

یہ قطعہ بھی بااثر سیاسی خاندانوں کے لیے کہا گیا ہے:

کیسے جمہور کیا عوام اے دوست مختصر اپنی یہ کہانی ہے
چند افراد کی قیادت میں چند کنبوں کی حکمرانی میں(۲۳)

سادہ لوح عوام پر مسلط مفاد پرست حکمرانوں کے متعلق ایک قطعہ:

چار چیزیں ہیں جو چُھپ سکتی ہیں پاکستان میں لاکھ ان کی جستجو میں ٹھوکریں کھائے نگاہ
رہ نماؤں کی حماقت، پار ساؤں کا فریب با اثر لوگوں کی رشوت اہل دولت کی نگاہ(۲۴)

شہر میں بدامنی اور لاقانونیت کے متعلق نہایت لطیف پیرائے میں طنز کیا گیا ہے:

تعداد بڑھ گئی ہے جراثیم کی اس قدر جس سے تمام شہر پراگندہ ہوش ہے
ہر اجنبی کو دیکھ کے ہونے لگا یہ وہم ریوالور بدستور طمنچہ بدوش ہے(۲۵)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



رئیس امروہوی کا یہ قطعہ دیکھیے جس میں انھوں نے بھرپور جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی قومی زبان کے لیے آواز اٹھائی۔ یہ رئیس امروہوی کے ان قطعات میں شامل ہے جنھیں نے آفاقی شہرت حاصل ہوئی۔

اور یہ قطعہ خواجہ حسن نظامی کی نظم ''جھینگر کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے'' کی زمین میں کہا گیا ہے:

کیوں جان حزیں جذبۂ موہوم سے نکلے کیوں نالۂ حسرت دلِ مغموم سے نکلے
آنسو نہ کسی دیدۂ مظلوم سے نکلے اردو کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے(۲۶)

یہ قطعہ اس وقت لکھا گیا تھا جب سندھ میں ایک مخصوص جماعت اور سیاسی کارندوں کی جانب سے لسانیت کو ہوا دی جارہی تھی اور اردو کو قومی زبان کی حیثیت سے ختم کرنے کی بات ہورہی تھی اور اس کے خلاف اسمبلی میں بل پیش کیا جارہا تھا۔

رئیس امروہوی نے سیاسی، سماجی، معاشی، روحانی اور علمی و ادبی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ جہاں جذبات کی ضرورت ہوئی انتہائی جذباتی قسم کے بھی قطعات کہے، جہاں سیاسی تدبر و حکمت سے کام لینا ہوا وہاں اسی طرح کے قطعات لکھے۔ انھیں بلا تکان لکھنے کی عادت تھی اور وہ ہر موضوع پر نہایت آسانی سے بہترین قطعہ لکھ لیتے تھے۔

ایک زمانے میں کراچی کے سیاسی حالات بہت خراب ہوگئے تھے اور کچھ بھی کہنا محال تھا ایسے دور میں رئیس امروہوی کا یہ قطعہ دیکھیے:

ملک الموت سے ٹکرا کے رئیس دیکھنا ہے کہ کہاں گرتے ہیں
کم کسے اس شہر کے بازاروں میں سرہتھیلی میں لیے پھرتے ہیں

ایک منجھے ہوئے اچھے قطعہ نگار کی نہ صرف عہد حاضر کے سیاسی و معاشرتی معاملات پر نظر ہوتی ہے بلکہ اس کی بصیرت مستقبل کے بارے میں بھی پیش گوئی کرتی ہے۔ رئیس امروہوی بھی ایک ایسے ہی قطعہ نگار تھے جو سیاسی بصیرت رکھتے تھے اور ہر چیز پر ان کی گہری نظر تھی۔ حکومت کا مملکت کے امور چلانے کے لیے دوسرے ممالک سے قرضہ یہ سمجھ کے لینا کہ اس کو واپس نہیں کرنا ہے۔ قطعہ ملاحظہ فرمائیے:

جو ہم سے طلبگار ہے تحسین و ثنا کا وہ لائقِ تحسین و ثنا ہے کہ نہیں ہے
ہم لوگ ہیں اغیار کی امداد پہ نازاں یہ قرض ہے، قرضِ حسنہ ہے کہ نہیں ہے(۲۷)

یہ قطعہ اس وقت لکھا گیا تھا جب کراچی کے ۱۲ طلبہ کو شہر بدر کر دیا گیا تھا:

تم نے ثابت ہے کیا عزم و عمل سے اپنے زندگانی ہے حیاتِ عملی زندہ باد

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



تم ہو ایثار وصداقت کا ہراول دستہ طالبات و طلبہ زندہ و پائندہ باد

---

کوئی اس مسئلے پر کیا بتائے رئیس امروہوی صاحب کی رائے
کوئی عہدے سے جاتا ہے جائے کوئی عہدے پہ آتا ہے آئے

---

حشر کے روز ہر اک صوفی و مُلّا و فقیہ اپنے سرمایۂ اعمال کا تاجر نکلا
رحمتِ حق کو تھی اِک بندۂ عاصی کی تلاش للہ الحمد کہ میں فاسق و فاجر نکلا

---

صبحِ ازل سے شامِ ابد تک ہے ایک دن یہ دن تڑپ تڑپ کے بسر کر رہے ہیں ہم
ہم اپنی زندگی تو بسر کرچکے رئیسؔ یہ کس کی زیست ہے جو بسر کر رہے ہیں ہم

اخباری قطعات نے صحافتی شاعری کے ذریعے خود کو ادبی صنف کی حیثیت سے منوا لیا ہے اور اس کا سہرا بالخصوص روزنامہ ''جنگ'' کے سر جاتا ہے جس نے قطعات نگاری کا سلسلہ شروع کیا اور رئیس امروہوی کو یہ ذمے داری سونپی جسے انھوں نے نہ صرف خوش اسلوبی سے نبھایا بلکہ اسے بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ رئیس امروہوی جیسے ہمہ جہت تخلیق کار کی تمام تخلیقات پر ان کی قطعہ نگاری بازی لے گئی اور ان کی اصل وجہِ شہرت ان کے روزنامہ ''جنگ'' میں لکھے گئے قطعات بنے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۸ء کو جب بے رحم اور سفاک قاتل کی گولی نے اس شعر و ادب کی دنیا کے اس جگمگاتے ستارے کو ہم سے جدا کیا تو ''جنگ'' اخبار میں قطعہ نگاری کی جگہ خالی ہوگئی اور اخبار کی انتظامیہ کے لیے یہ فیصلہ کرنا بے حد مشکل ہوگیا کہ اب اس جگہ کو کون پُر کرے گا اور کون وہ شخص ہوگا جو رئیس امروہوی کی جگہ لے سکے گا۔ پورے ملک سے شعرائے کرام نے ''جنگ'' میں میر خلیل الرحمٰن کو قطعات لکھ کر بھیجے جن میں مشاہیر بھی شامل تھے۔ ''جنگ'' اخبار نے عوام کی رائے لینے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ روزانہ کسی بھی شاعر کا ایک قطعہ شائع کرنے لگے جن میں قتیل شفائی، دلاور فگار، مظفر وارثی اور انور شعور جیسے مشہور شاعر بھی شامل تھے۔ تقریباً مہینے بھر تک اشاعت کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور بالآخر قرعۂ فال انور شعور کے نام نکلا۔ اس طرح ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء سے موجودہ عہد کے نامور شاعر انور شعور نے رئیس امروہوی کی جگہ قطعے لکھنے کا آغاز کیا اور اب تک لکھ رہے ہیں۔ انور شعور کا پہلا قطعہ جو اُنھوں نے ''جنگ'' میں لکھا، اس کے دو مصرعے یہ ہیں:

مے نوش مر رہے ہیں روز اس قدر کہ ہم بھی
ہر صبح ڈھونڈتے ہیں خبروں میں نام اپنا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



یہ مصرعے کچی شراب پینے سے مرنے والوں کے متعلق اخباری خبر پر تبصرہ ہیں۔

انور شعور جن کا اصل نام انور حسین خان ہے، یوپی کے شہر فرخ آباد سے تعلق رکھتے ہیں مگر اُن کی پیدائش مدھیہ پردیش میں ساگر کے مقام پر ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔ ملازمت کے سلسلے میں اُن کے دادا بھوپال میں مقیم تھے اور پولیس کے محکمے میں نوکری کیا کرتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد انور شعور کے والد بمبئی منتقل ہو گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان ہجرت کی اور کراچی کو اپنا مسکن بنایا۔ کراچی میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اسی شہر کے گلی محلوں میں پل کر بڑے ہوئے۔ پڑھائی میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے تھے، پانچویں جماعت کے بعد سے اسکول کی شکل نہیں دیکھی۔ ان کی آواز اچھی تھی، نعت خوانی بہت اچھی کیا کرتے تھے۔ دس برس کی عمر سے شعر کہنے شروع کر دیے تھے۔ ان کی والدہ کو مطالعے کا شوق تھا، وہ آنہ لائبریری سے ''بنات'' اور ''عصمت'' وغیرہ منگوا کر پڑھا کرتی تھیں تو انور شعور بھی اپنے لیے بچوں کی کتابیں اور رسالے وغیرہ لے آتے اور پڑھا کرتے تھے اس طرح اُن میں مطالعے کی عادت پختہ ہوگئی۔ کم عمری سے ہی ادبی لوگوں کا ساتھ میسر آیا جس کی وجہ سے انھیں لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ان کے استاد مولانا افسر صابری صاحب نے بچپن میں ہی انھیں شاعری کے رموز وقواعد گھول کے پلا دیے تھے جو انھوں نے ذہن نشین کر لیے تھے۔ وہی اُن کے اوّلین استاد تھے جن کا جلد ہی انتقال ہو گیا تھا۔

انور شعور اپنی قطعہ نگاری کے حوالے سے کہتے ہیں کہ رئیس امروہوی کے انتقال کے بعد ''جنگ'' میں یہ گدّی میں نے سنبھال لی۔ صحافی حسن عابدی مجھ سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ''قطعات لکھنے کے لیے ضروری ہے آدمی شاعر ہو اور صحافتی مزاج رکھتا ہو۔ دونوں میں سے ایک چیز کم ہوگی تو وہ قطعہ نہیں لکھ سکے گا۔ میں بچپن سے ہی اخبار پڑھنے کا عادی ہوں تو اخبار کا قاری بھی نیم صحافی ویسے ہی بن جاتا ہے۔ اس لیے شاعری اور سیاسی قطعہ نگاری کو ساتھ لے کر چل رہا ہوں۔''(۲۸)

یوں تو انور شعور کی وجہِ شہرت اُن کی شاعری اور خاص طور پر غزل ہے۔ شاعری کے حوالے سے انور شعور کا نام اردو کے اہم ترین، سنجیدہ اور معتبر شعرا میں ہوتا ہے۔ اُن کی شاعری کی کلیات بھی شائع ہو چکی ہے اور مجموعۂ کلام بعنوان ''می رقصم''، ''آتے ہیں غیب سے''، ''مشقِ سخن''، ''اندوختہ'' اور ''دل کا کیا رنگ کروں'' منصۂ شہود پر آ چکے ہیں اور مقبولِ عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔

انور شعور ایک کہنہ مشق شاعر ہیں جو سلاست اور سادگی کے ساتھ اپنی بات کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ ۱۹۸۸ء سے لے کر اب مسلسل قطعہ نگاری کر رہے ہیں اور اپنے قطعات کی شکل میں ایک منظوم تاریخ رقم کر رہے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



ہیں۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

> انور شعور بیسویں صدی کے ایسے غزل گو شاعر ہیں جن کی شاعری کا اسلوب نہایت سادہ ہے جو تراکیب سے پاک ہے۔(۲۹)

مشفق خواجہ نے انور شعور کے لیے لکھا:

> انور شعور کو کسی تعریف کی ضرورت نہیں۔(۳۰)

ڈاکٹر فاطمہ حسن، انور شعور کے لیے کہتی ہیں:

> انور شعور کے اشعار خیالی نہیں ہوتے بلکہ حقیقی ہوتے ہیں۔ جب قاری اُن کے سادہ لوح اشعار پڑھتا ہے، اُس حقیقی کیفیت کو محسوس کرنے لگتا ہے جو اُس میں بیان کی گئی ہے۔ اُن کے ہاں اپنی ذات کی نفی اور دوسروں کے لیے احترام ملتا ہے۔(۳۱)

مبین مرزا کی انور شعور کے لیے رائے کچھ اس طرح ہے:

> انور شعور کے یہاں بہت عام سی بات، روزمرہ کا کوئی معمولی واقعہ اور انسانی طرزِ احساس کا کوئی بھی سادہ رویہ شعر کے قالب میں ڈھل کر چلا آتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب شاعر موضوعات اور مضامین کی کمی کا شکار نہیں بلکہ بہتات سے دوچار ہوتا ہے۔(۳۲)

انور شعور کے اخباری قطعات کے متعلق پروفیسر تحسین فراقی کہتے ہیں:

> انور شعور کے قطعات میں برجستگی اور بے ساختہ پن ہے، عوام سے گفتگو کے لیے آسان و سہل اندازِ بیاں لازمی ہے اور انور شعور اس لحاظ سے کامیاب ترین انسان ہیں۔ اُن کی غزلیں اور اخباری قطعے سادہ ہوتے ہیں لیکن اس میں بیان کردہ موضوع کسی لحاظ سے نامکمل نہیں ہوتا۔(۳۳)

انور شعور کے متعلق عہدِ حاضر کے تقریباً تمام مشاہیر کی رائے ایک جیسی ہی ہے اور وہ یہ کہ انور شعور سہل ممتنع کے نمائندہ شاعروں میں سرِ فہرست ہیں۔ انھیں سادگی و پُرکاری سے اپنی بات کہنے کا سلیقہ آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ تواتر سے قطعات لکھتے جا رہے ہیں۔ ہر روز ایک نیا موضوع اور نیا مسئلہ ہوتا ہے مگر انور شعور کے خیالات کی ندرت، تراکیب کا استعمال، الفاظ کا چناؤ اور روانی و سلاست اسے یادگار بنا دیتے ہیں۔ قاری کو اُن کی بات سمجھنے میں کبھی مشکل پیش نہیں آتی، وہ قابلِ فہم انداز میں لکھتے ہیں۔ بلاوجہ کی لفاظی کے قائل نہیں۔ ان کی فصاحت و

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



بلاغت کا کمال یہ ہے کہ وہ شعریت سے مالا مال تو ہے مگر ادق اور نا قابلِ فہم نہیں بلکہ سلیس و رواں ہے اور یہی انفرادیت انھیں دیگر معاصرین سے منفرد و ممتاز کرتی ہے۔ وہ لفظوں کو نگینوں کی طرح سے جڑتے اور موتی کی طرح سے پروتے چلے جاتے ہیں۔

## انور شعور کے کچھ قطعات

کافی نہیں خطوط کسی بات کے لیے تشریف لائیے گا ملاقات کے لیے
دنیا میں کیا کسی کو کسی سے غرض نہیں ہر کوئی جی رہا ہے فقط ذات کے لیے

ان کا مندرجہ بالا قطعہ ہمارے عہد کی عکاسی کر رہا ہے۔ لوگوں میں بے اعتنائی اور خود پسندی بڑھتی جارہی ہے۔ میل ملاپ کم ہوکر بس خط و کتابت تک رہ گیا ہے:

مہنگائی راہِ راست پہ لے آئی کھینچ کر بچتی نہیں رقم بُری عادات کے لیے
کرنے کے کام کیوں نہیں کرتے شعورؔ تم کیا زندگی ملی ہے خرافات کے لیے

ان دونوں قطعات میں بڑھتی ہوئی مہنگائی اور معاشی طور پر ایک عام شہری کی حالت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

ہمیں فکروں سے فرصت ہو تو دیکھیں گھڑی میں دس کے گیارہ بج رہے ہیں
ہماری زندگی ہے حسبِ معمول ہمارے منھ پہ بارہ بج رہے ہیں

انھوں نے مئی ۲۰۰۲ء میں مشرف دور میں ہونے والے ریفرنڈم پر طنز کرتے ہوئے یہ قطعات کہے تھے:

ریفرنڈم پہ تم خجل کیوں ہو یہ تمھارا قصور تھوڑی ہے
قوم ہے باشعور جانِ من کوئی انور شعور تھوڑی ہے

---

آج اُن کا نہیں حریف کوئی پھر صدر کو کیوں نہ دے خدا جیت
ہوگی انھیں ملک بھر میں حاصل جیت اور بلامقابلہ جیت[۳۴]

---

ریفرنڈم ہے فقط پانچ برس کی خاطر
کیا یہ کام فقط پانچ برس میں ہوں گے

قطعے کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



گرمی کا ذکر جب بھی چھیڑا بیگمات سے
ہر ایک نے کہا مَری جا رہی ہوں میں

انور شعور نے اس قطعے میں الفاظ سے کھیلتے ہوئے بھی اصل موضوع کو دھیان میں رکھا ہے اور کمال مزاح پیدا کیا ہے۔ چاہے انتخابات و ریفرنڈم کی بات ہو یا موسم کی شدت کا ذکر، وہ ہر بات سلیقے سے پُرلطف انداز میں کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔

قطعے کے صرف مندرجہ ذیل شعر کو ہی لیجیے کہ اُنھوں نے کس طرح سیاسی شعور کے ساتھ پرویز مشرف پر تنقید کی:

پرویز مشرف کا مخفف ہے پی ایم
ہم آج بھی پی ایم سے محروم نہیں

ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی پر نہایت لطیف انداز میں طنز کیا ہے کہ:

ایک صارف نے نہایت کرب سے آج اس مضمون کا بھیجا ہے فیکس
پوچھے ہے جنرل مشرف سے شعورؔ اتنی مہنگائی میں جنرل کا ہے ٹیکس

دسمبر ۲۰۰۷ء میں بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد انھوں نے قطعے میں اُنھیں خراجِ عقیدت پیش کیا:

جینے کا ولولہ بھی تھا مرنے کا حوصلہ بھی تھا
اس کی حیات بے نظیر، اُس کی وفات بے نظیر

انور شعور کے قطعات کے بعض اشعار نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ یہ شعر بھی اُن میں سے ایک ہے۔ کسی بھی سیاسی موضوع پہ قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں ہے، پھر اُسے چار مصرعوں میں بیان کرنا، قطعہ نگار کی مہارت ہے۔ مثلاً یہ قطعہ ملاحظہ کیجیے جس میں دو سیاسی جماعتوں (مسلم لیگ فنکشنل اور پی پی پی) کے درمیان حائل سیاسی خلیج کو نہ صرف پیش کیا گیا بلکہ اس کے نتائج سے بھی آگاہ کیا۔

سہیلیوں نے کہا بے نظیر بھٹو سے تمھارا نام رکھیں مختصر تو بی بی
کہا کسی نے کسی کو جناب اس رو سے جناب پیر پگاڑا کا نام ہو پی پی

مزید دیکھیے، کرونا کی اس وبا کے دور میں ماسک سے چہرہ چُھپانے کو بھی قطعہ نگار نے شگفتگی کے پیرائے میں ''ڈاکو کے ڈھاٹے'' سے تشبیہ دے ڈالی:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



### ماسک

کرونا میں پہن لے آدمی ماسک تو آسانی سے چُھپ جاتی ہے صورت
کہ کیوں ہو ڈکیتی کے لیے اب کسی ڈاکو کو ڈھاٹے کی ضرورت

ایک اور پُرلطف قطعہ ملاحظہ ہو:

### توبہ

حکومت کی طرف ہیں آج کل ہم نہ اربابِ سیاست کی طرف ہیں
ریاست پر توجہ ہے ہماری ہم ریاست کی طرف ہیں

### جھوٹ

ایسے اُڑتا ہے وہ کہ پھر اُس کے اس کے تذکرے دور دور ہوتے ہیں
جھوٹ کے پاؤں تو نہیں ہوتے جھوٹ کے پَر ضرور ہوتے ہیں

### دعا

نہ لائے رنگ بے فکری ہماری خدا محفوظ رکھّے ہر بلا سے
کرونا کی وبا سے ہم ہراساں کہ خائف ہیں سیاست کی وبا سے

اردو اخبارات کا قطعہ نگاری کی صنف کو عام کرنے میں نمایاں کردار ہے۔ قطعات سے نہ صرف سیاسی جوڑ توڑ اور دوسرے سماجی معاملات کو ہلکے پھلکے اور پُرلطف طنزیہ انداز میں عوام تک پہنچانے میں مدد ملتی ہے بلکہ قارئین کے ذوق کی تسکین بھی ہوگی۔ جب کوئی مقبول شاعر کسی مسئلے یا سیاسی صورتِ حال پہ منظوم انداز میں اظہارِ خیال کرتا ہے تو اس سے نہ صرف پسند کرنے والے قارئین کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اخبار کی پسندیدگی کا گراف بھی بلند ہوتا ہے۔ ایک ایسے دور میں جب کہ ہماری نئی نسل فرنگی زبان کی محبت میں گرفتار ہے اور اردو پر اس کی توجہ کم سے کم ہوتی جارہی ہے، ایسے میں اپنی زبان کی ترویج و اشاعت میں اردو اخبارات بہت اہم کردار ادا کر رہے ہیں اور خاص طور پر روزنامہ ''جنگ'' جو قیامِ پاکستان سے اب تک مسلسل ادیبوں اور شاعروں کو اپنے اخبار میں اظہارِ خیال کا موقع فراہم کرتا ہے جس سے نہ صرف پڑھنے والوں کے ذوق کی آبیاری ہوتی ہے بلکہ انھیں اچھی تحریر اور اچھے قطعات بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



## حواشی

۱۔ مسکین علی حجازی، صحافتی زبان، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ص ۱۹
۲۔ ڈاکٹر شمس الدین، جرنلسٹ، (شعبۂ ابلاغِ عامہ، جامعہ کراچی، ۱۹۹۲ء)، ص ۱۰۹
۳۔ قاضی جمیل اطہر، پرنٹ میڈیا، (کراچی: آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۵
۴۔ رضیہ فرید، روزنامہ ''جنگ''، جنوری ۲۰۱۵ء، ص ۱۲
۵۔ ایس ایم شاہد، مطالعہ صحافت، حصہ دوم، (کراچی: ایمپوریم پبلشرز، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۰۰
۶۔ یاسمین سلطانہ فاروقی، فکاہیہ کالم نگاری اور نصر اللہ خان، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۸ء)، ص ۱۷۳
۷۔ پروفیسر سحر انصاری، (مصاحبہ)، مصاحبہ کار: ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی، طارق احمد، بمقام: آرٹس کونسل کراچی، ۵/دسمبر ۲۰۲۰ء
۸۔ سیّد احمد دہلوی، فرہنگِ آصفیہ، جلد سوم، (لاہور: مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، ۱۹۷۴ء)، ص ۳۹۱
۹۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشافِ تنقیدی اصطلاحات، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۴۳
۱۰۔ رفیع الدین ہاشمی، اصنافِ ادب، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۸۵
۱۱۔ زاہدہ حنا، (مصاحبہ)، مصاحبہ کار: ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی، طارق احمد، بمقام: انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۶/دسمبر ۲۰۲۰ء
۱۲۔ پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود، (مصاحبہ)، مصاحبہ کار: ایضاً، بمقام شعبۂ ابلاغِ عامہ، جامعہ کراچی، ۳۰/نومبر ۲۰۲۰ء
۱۳۔ اینچ خانزادہ، (مصاحبہ)، مصاحبہ کار: ایضاً، بمقام: کراچی پریس کلب، ۱۰/نومبر ۲۰۲۰ء
۱۴۔ انور شعور، ٹیلی فونک انٹرویو، (مصاحبہ)، مصاحبہ کار: ایضاً، ۲۵/نومبر ۲۰۲۰ء
۱۵۔ سلیم اللہ صدیقی، جیو نیوز، بلاگ، ویب لنک: https://urdu.geo.tv/latest/118458، استفادہ: ۱۸/نومبر ۲۰۲۰ء
۱۶۔ مسعود الرحمٰن، رئیس امروہوی: شخصیت و فن، (حیدر آباد: نیو جیمس پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۴ء)، ص ۴۳
۱۷۔ صہبا لکھنوی، رئیس امروہوی: شخصیت و فن، (کراچی: رئیس امروہوی میموریل ٹرسٹ، ۱۹۹۰ء)، ص ۴۸
۱۸۔ سلیم اللہ صدیقی، محولۂ بالا
۱۹۔ روحی کنجاہی، منتخب مزاحیہ شاعری، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء)، ص ۶۶
۲۰۔ ایضاً، ص ۶۷
۲۱۔ ایضاً، ص ۶۶
۲۲۔ قطعاتِ رئیس امروہوی، قرطاسِ ادب، روزنامہ جنگ، کراچی، ۲۳/ستمبر ۲۰۲۰ء، ص ۵
۲۳۔ ایضاً
۲۴۔ ایضاً، ص ۳۷
۲۵۔ ایضاً، ص ۳۹
۲۶۔ ایضاً، ص ۱۴
۲۷۔ پٹھان شکور، ''عوامی شاعر: عالی جی، رئیس امروہوی، ویب لنک: https://www.mukaalma.com/28491/، استفادہ: ۱۸/نومبر ۲۰۲۰ء
۲۸۔ انور شعور، (مصاحبہ)، مصاحبہ کار: خالد خورشید، جدہ، ''اردو نیوز''، ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۶ء، ویب لنک: https://www.urdunews.com/node/15381، استفادہ: ۱۸/نومبر ۲۰۲۰ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



۲۹۔ انور شعور، کلیاتِ انور شعور، (کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ص ۶۵۸
۳۰۔ ایضاً، ص ۶۶۴
۳۱۔ انور شعور، ''آتے ہیں غیب سے''، (کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، فلیپ
۳۲۔ مبین مرزا، ایضاً، بیک کور
۳۳۔ ایضاً، ص ۱۵
۳۴۔ روزنامہ ''جنگ''، مؤرّخہ ۲۲/اپریل ۲۰۰۲ء

## مآخذ


۱۔ اطہر، قاضی جمیل، پرنٹ میڈیا، کراچی: آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی، ۲۰۱۲ء
۲۔ حجازی، مسکین علی، صحافتی زبان، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء
۳۔ دہلوی، سیّد احمد، فرہنگِ آصفیہ، جلد سوم، لاہور: مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، ۱۹۷۴ء
۴۔ سلطانہ، یاسمین فاروقی، فکاہیہ کالم نگاری اور نصر اللہ خان، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۸ء
۵۔ شاہد، ایس ایم، مطالعہ صحافت، حصہ دوم، کراچی: ایمپوریم پبلشرز، ۱۹۹۹ء
۶۔ انور شعور، آتے ہیں غیب سے، کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء
۷۔ شمس الدین، ڈاکٹر، جرنلسٹ، شعبۂ ابلاغِ عامہ، جامعہ کراچی، ۱۹۹۲ء
۸۔ صدیقی، ابوالاعجاز حفیظ، کشافِ تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء
۹۔ کلیاتِ انور شعور، کراچی: رنگِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء
۱۰۔ کنجاہی روحی، منتخب مزاحیہ شاعری، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء
۱۱۔ لکھنوی، صہبا، رئیس امروہوی: شخصیت و فن، کراچی: رئیس امروہوی میموریل ٹرسٹ، ۱۹۹۰ء
۱۲۔ مسعود الرحمٰن، رئیس امروہوی: شخصیت و فن، حیدرآباد: نیو جیمس پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۴ء
۱۳۔ ہاشمی، رفیع الدین، اصنافِ ادب، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء


## اخبارات و جرائد


۱۔ روزنامہ ''جنگ''، جنوری ۲۰۱۵ء، ص ۱۲
۲۔ روزنامہ جنگ، کراچی، مؤرّخہ ۲۳/ستمبر ۲۰۲۰ء، ص ۵
۳۔ روزنامہ ''جنگ''، مؤرّخہ ۲۲/اپریل ۲۰۰۲ء


## مصاحبہ


۱۔ حنا، زاہدہ، مصاحبہ کار: ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی، طارق احمد، بمقام: انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۶/دسمبر ۲۰۲۰ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)



۲۔ خانزادہ، ایچ، مصاحبہ کار: ایضاً، بمقام: کراچی پریس کلب، ۱۰/نومبر ۲۰۲۰ء
۳۔ سحر انصاری، سحر، پروفیسر، مصاحبہ کار: ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی، طارق احمد، بمقام: آرٹس کونسل کراچی، ۵/دسمبر ۲۰۲۰ء
۴۔ شعور، انور، ٹیلی فونک انٹرویو، مصاحبہ کار: ایضاً، ۲۵/نومبر ۲۰۲۰ء
۵۔ مسعود، طاہر، پروفیسر ڈاکٹر، مصاحبہ کار: ایضاً، بمقام شعبۂ ابلاغِ عامہ، جامعہ کراچی، ۳۰/نومبر ۲۰۲۰ء

## ویب سائٹس

1. https://urdu.geo.tv/latest/118458
2. https://www.mukaalma.com/28491/
3. https://www.urdunews.com/node/15381